تدبّرِ قرآن

۱۱۱

اللّھب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق و لاحق سے تعلق

اس سورہ کے عمود اور سابق و لاحق سے اس کے تعلق پر استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایسی جامع اور حکیمانہ بحث کی ہے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے اسی کے بعض اہم اقتباسات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

"سورۂ نصر کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فتح مکہ پر تمام کی، اسی طرح آپ کے لائے ہوئے صحیفہ کو اس فتح عظیم کے ذکر پر ختم کیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ حق اپنے مرکز پر پہنچ گیا۔ خانۂ کعبہ کے مرکز توحید و اسلام اور سرچشمۂ ملتِ ابراہیم ہونے کے سبب سے فتح مکہ ہی آپ کی بعثت کا گویا آخری اور تکمیل کام تھا۔ اس کے بعد صرف ثابت قدمی اور استقامت کی ضرورت رہتی تھی جس کے لیے تین سورتیں اس کے بعد لگا دی گئیں۔ سورۂ اخلاص، جو تمام معارفِ توحید کا خزانہ اور دین کی بنیاد ہے اور سورۂ فلق و سورۂ ناس دعائے استقامت کی تعلیم اور شیاطینِ جن و انس کی تاخت سے اس خزانہ کی حفاظت کے لیے۔"

اس کے بعد مولانا علیہ الرحمۃ سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ ناس) کے اس جھرمٹ میں سورۂ لہب کے رکھے جانے کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں :

"اس تمہید سے واضح ہوا کہ یہ تمام سورتیں ــــــ سورۂ نصر، سورۂ اخلاص اور معوذتین ــــــ باہم ہم گر مربوط ہیں اس وجہ سے سورۂ لہب کا ان کے درمیان رکھا جانا بھی لازماً کسی حکمت پر مبنی ہو گا ورنہ یہ پورا سلسلۂ نظم درہم برہم ہو جائے گا۔ چنانچہ غور و فکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ نصر میں جس فتح و غلبہ کا ذکر ہے سورۂ لہب میں اسی کی وضاحت و بشارت۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو غلبہ دیا اور اس کے دشمن کو برباد کیا چنانچہ دوسرے مقام میں یہ بات یوں واضح فرمائی گئی :

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ   حق نمودار ہو گیا اور باطل برباد

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ہ	ہوا۔ بلاشبہ باطل مٹنے ہی کی
(بنی اسرائیل۔۱۷: ۸۱)	چیز ہے۔

اس نظم کی نہایت خوب صورت مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ میں بھی ہے جو آپ نے فتح مکہ کے دن، خانۂ کعبہ کے دروازے پر دیا۔ آپ نے فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ	خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں،
وصدق وعدہٗ ونصر	اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے
عبدہٗ وھزم الاحزاب	کی مدد فرمائی اور دشمنوں کی تمام پارٹیوں
وحدہٗ۔	کو یکہ و تنہا شکست دی۔

بظاہر تو یہ تین الگ الگ فقرے ہیں لیکن ایک صاحب نظر کے لیے ان تینوں کے اندر علی الترتیب تین سورتوں کے مضمون پنہاں ہیں۔ پہلا فقرہ 'لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ' سورۂ کافرون کے ہم معنی ہے۔ دوسرا فقرہ 'وصدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ' سورۂ نصر کا ہم مضمون ہے۔ تیسرا جملہ 'وھزم الاحزاب وحدہٗ' اور سورۂ لہب ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح یہ تینوں فقرے ایک صاحب نظر کے لیے بالکل مربوط و منظم ہیں اسی طرح جو لوگ ان سورتوں کے مضامین پر غور کریں گے وہ ان سب کو ایک ہی زنجیر کی مربوط کڑیوں کی شکل میں پائیں گے۔

ب۔ اس امر کا بیان کہ یہ سورہ مدنی اور فتح مکہ کی بشارت ہے

ایک اہم سوال اس سورہ سے متعلق یہ بھی ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی؟ ہمارے مفسرین نے عام طور پر اس کو مکی قرار دیا ہے لیکن یہ رائے کچھ قوی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے حق میں واحد دلیل جو ان کی طرف سے پیش کی گئی ہے یہ ہے کہ یہ جواب ہے ابولہب کی اس گستاخی کا جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہوئی کہ اپنے قریبی اعزّہ کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں تو ایک دن آپ علی الصباح کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں 'یا صباحاہ' کا نعرہ لگایا۔ عرب میں یہ نعرہ خطرہ کا الارم سمجھا جاتا۔ یہ نعرہ سن کر قریش کے تمام خاندان آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر گراں تمہارے اوپر حملہ کے لیے گھات لگائے ہوئے ہے تو کیا تم باور کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ ہاں ہم ضرور باور کریں گے، ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو میں ایک سخت عذاب سے آگاہ کر رہا ہوں جو تم پر آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب نے سبقت کر کے کہا: 'تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا!'

(تیرا ناس ہو، کیا اسی لیے تم نے ہم سب کو دعوت دی!)

مفسرین اسی واقعہ کو اس سورہ کا شانِ نزول قرار دیتے ہیں کہ جب 'تَبًّا لَّكَ' کے الفاظ سے ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے اس کی اور اس کی بیوی کی مذمت میں یہ سورہ اتاری۔ یہ واقعہ ظاہر ہے کہ مکہ کے بالکل ابتدائی دور میں پیش آیا اس وجہ سے مفسرین کے نزدیک سورہ کا نزول بھی اسی دَور میں ہوا ہے۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے اس سے تو انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ بات مختلف وجوہ سے محلِ نظر ہے کہ یہ سورہ ابولہب کے جواب اور اس کی اور اس کی بیوی کی مذمت میں نازل ہوئی ہے۔

اول تو یہی بات کھٹکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں میں سے کسی کی گستاخی کا اس طرح ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے۔ جہاں تک مخالفت اور توہین و دل آزاری کا تعلق ہے ابولہب کی کچھ خصوصیت نہیں ہے۔ مکہ اور طائف کے اکثر لیڈر اس جرم میں شریک رہے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام زیادتیوں کے جواب میں خود بھی صبر و حلم کا رویہ اختیار فرمایا، اپنے صحابہؓ کو بھی اسی کی تاکید فرمائی اور اسی رویہ کی تاکید آپ کو بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی فرمائی گئی۔ ان میں سے کسی کے جواب میں بھی، خواہ اس کی گستاخی کی نوعیت کتنی ہی سنگین رہی ہو، آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکلا جس میں مذمت کا کوئی پہلو ہو۔ آپ کو حکمت اور دل پذیر موعظت کے ساتھ دعوت کی ہدایت فرمائی گئی تھی اور آپ نے اس ہدایت پر ہمیشہ عمل فرمایا۔ مذمت اور سبّ و شتم تو درکنار آپ نے اپنی قوم کے کفار کو کفار کے لفظ سے بھی، جیسا کہ سورۂ کافرون کی تفسیر میں وضاحت ہو چکی ہے، اس وقت خطاب فرمایا ہے، جب ان پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے اور وقت آگیا ہے کہ آپ قوم سے اعلانِ براءت کر کے ہجرت کر جائیں۔ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا بھی رہا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کے بالکل آغاز ہی میں اپنے چچا کے ایک فقرہ سے اس درجہ آزردہ ہو جائیں کہ اس کی مذمت کے جواب میں آپ کی تسکینِ قلب کے لیے ایک ایسی سورہ نازل کی جائے جس میں مفسرین کے بقول صرف اسی کی نہیں بلکہ اس کی بیوی کی بھی خبر لی گئی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ 'تَبًّا لَّكَ' کے الفاظ اور 'تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ' کے الفاظ میں باعتبارِ مفہوم بڑا فرق ہے۔ 'تَبًّا لَّكَ' کے الفاظ تو بے شک بددعا، مذمت اور تحقیر کے لیے آتے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہے کہ 'تَبَّ' سے جو دوسرے محاورات پیدا ہوئے ہیں ان کے اندر بھی لازماً ہجو و مذمت کا مفہوم پایا جائے۔ اگر 'تَبًّا لِّاَبِيْ لَهَبٍ' کے الفاظ ہوتے تب تو اس گمان کے لیے گنجائش تھی کہ اس کو ابولہب کی بات کا ترکی بہ ترکی جواب سمجھا جائے لیکن الفاظ 'تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ'

کے ہیں۔ اس محاورے کے اندر ہجو و مذمت اور بدعا کا مضمون نہیں بلکہ جیسا کہ آیت کی تفسیر کے تحت ہم واضح کریں گے، ابولہب کے اقتدار کے ڈھے جانے، اس کے انصار و اعوان کے ٹوٹ جانے اور اس کی دولت و حشمت کے برباد ہو جانے کا مضمون پایا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ یہ جملہ انشائیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے اور یہ خبر ماضی کے صیغہ میں ابولہب کی بربادی کی پیشین گوئی ہے جو اس وقت کی گئی ہے جب اس پر حجت تمام کی جا چکی ہے۔ پس یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے بلکہ اس کا نزول اس وقت ہوا ہے جب ابولہب کی تباہی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔ اس کی موت غزوۂ بدر کے کچھ بعد واقع ہوئی ہے اس وجہ سے اس کا نزول بھی اسی کے لگ بھگ ہوا ہے۔ اسلوبِ کلام سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ سورہ اس کی موت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اگر موت کے بعد نازل ہوتی تو اس کا اسلوبِ کلام اس سے مختلف 'اَلَمْ تَرَ کَیْفَ' یا اس سے ملتا جلتا ہوتا۔ ماضی کا یہ اسلوبِ بیان مستقبل میں ہونے والے واقعات کی قطعیت کے اظہار کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کی بکثرت مثالیں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔

سُوۡرَةُ اللَّھَبِ

مَدَنِيَّةٌ —— اٰيات ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

آیات ۱-۵

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ؕ ﴿۲﴾ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۖۚ ﴿۳﴾ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۚ ﴿۴﴾ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

ع ۵ / ۳۶

ترجمہ آیات ۱-۵

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ڈھے گا۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ بھڑکتی آگ میں پڑے گا۔ اس کی بیوی بھی ایندھن ڈھوتی ہوئی۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔ ۱-۵

الفاظ واسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (۱)

'تبت یداہ' کا مفہوم

'تَبَّ' کے معنی ہلاک ہونے اور خسارہ میں پڑنے کے ہیں۔ اسی سے 'تبت یدا فلان' کا محاورہ نکلا ہے جس کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ فلاں کے دونوں ہاتھ حصولِ مقصد میں ناکام و عاجز ہے۔ دونوں ہاتھوں کی ناکامی اور بے بسی کامل بے بسی کی تعبیر ہے۔ اگر کہیں کہ 'تبت یداہ' تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز ہو گیا۔ اسی طرح 'کسر ید' (ہاتھ توڑ دینا) کسی کا زور توڑ دینے کی تعبیر ہے۔ فند الزمانی کا شعر ہے:

وترکنا دیار تغلب قفرا وکسرنا من الغواۃ الجناحا

(ہم نے تغلب کے علاقہ کو چٹیل بنا کے چھوڑ دیا اور ان کے سرکشوں کے بازو توڑ دیے)

عبرانی زبان میں بھی، جو عربی کی بہن ہے، یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ صحیفہ ذی الکفل کے باب ۳۰، آیات ۲۰-۲۲ کے فقرے ملاحظہ ہوں:

"گیارھویں برس کے پہلے مہینہ کی ساتویں تاریخ کو یوں ہوا کہ خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد! میں نے مصر کے بادشاہ، فرعون کا بازو توڑا اور دیکھ وہ باندھا نہیں جائے گا اور دوا کی تدبیر کر کے اس پر پٹیاں کسی نہیں جائیں گی کہ تلوار پکڑنے کے لیے مضبوط ہو۔ اس لیے خداوند یہوہ یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں مصر کے بادشاہ، فرعون کا مخالف ہوں اور اس کے بازوؤں کو، اسے جو پر زور ہے اور اسے جو ٹوٹا تھا، توڑ دوں گا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گرا دوں گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کے اندر ہجو و مذمت کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ یہ صرف ابولہب کے اقتدار کے زوال اور اس کی تباہی کی پیشین گوئی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہاں اس کا ذکر کنیت کے ساتھ ہوا ہے اور اہل عرب جب کسی کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے ہیں تو اس میں فی الجملہ احترام مدنظر ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ پورے قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے کسی کا ذکر بھی اس کے نام کی تصریح کے ساتھ نہیں ہوا، پھر ابولہب ہی کی کیا خصوصیت تھی کہ اس کا ذکر اس کے نام سے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خاص اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی یوں تو کئی وجہیں ہو سکتی ہیں لیکن دو باتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔

ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابولہب کی عداوت کی نوعیت دوسرے مخالفوں کی عداوتوں سے بہت مختلف تھی۔ قریش کے دوسرے لیڈروں کو آپ سے جو اختلاف تھا اس کی بڑی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ آپ کی دعوت کو دینِ آبائی کے خلاف سمجھتے تھے، یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ اس میں اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے لیے کوئی خطرہ محسوس کرتے ہوں۔ آپ جن مکارمِ اخلاق کی دعوت دیتے تھے ان کی عزت ان کے دلوں میں بھی تھی۔ آپ یتیموں اور مسکینوں اور غلاموں کے ساتھ جس حسنِ اخلاق پر لوگوں کو اُبھارتے تھے قریش کے بہت سے شریفوں کے اندر اس کے لیے بھی بڑا احترام تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ سارے کام ہوں۔ اور اس معاملہ میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسنِ ظن بھی تھا اس لیے کہ وہ آپ کو تمام اعلیٰ اوصاف سے عملاً متصف پاتے تھے۔ ان کو غصہ تھا تو اس بات پر تھا کہ اپنی دعوت میں آپ ان کے بتوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ سورۂ کافرون کی تفسیر میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ اس بات پر آمادہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بتوں کے معاملے میں اپنا لب و لہجہ کچھ نرم کر دیں تو وہ بھی آپ کی دعوت کے معاملہ میں اپنی روش تبدیل کر دیں گے۔

ابولہب کا ذکر نام کے ساتھ کیے جانے کی وجوہ

اس کے برعکس ابولہب کی مخالفت تمام تر اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لیے تھی۔ وہ بیت اللہ کے بیت المال (رفادہ) کا نگران تھا اور اپنے زمانے میں اس نے اس طرح اس پر قبضہ کر رکھا تھا کہ اس کا بڑا حصہ یتیموں، مسکینوں اور حاجیوں کے بجائے اس کے اپنے جیب میں جاتا جس کی بدولت وہ اپنے زمانے کا قارون بن گیا۔ اس نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکارمِ اخلاق کی دعوت اور بیت اللہ کے مقصودِ تعمیر کی آیتیں سنیں[1] تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے احتساب کا وقت قریب آ رہا ہے۔ اگر جلد سے جلد آپ کی دعوت کو دبانے کی اس نے تدبیر نہ کی تو ان تمام مفادات سے اسے دست بردار ہونا پڑے گا جن سے وہ اس وقت بے روک ٹوک بہرہ مند ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہ کمر باندھ کے آپ کی دعوت کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے کردار کی تصویر سورۂ ہُمَزہ اور بعض دوسری سورتوں میں کھینچی گئی ہے۔ جن لوگوں کی مخالفت یا موافقت ذاتی اغراض سے بالاتر کسی مقصد کے لیے ہوتی ہے، اگرچہ وہ مقصد غلط ہی ہو، ان کے لئے فی الجملہ

---

[1] اس گروپ کی سورتوں میں سے بھی متعدد سورتوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ بلد، سورۂ فیل، اور سورۂ قریش وغیرہ میں۔

شرافت ہوتی ہے برعکس اس کے جس کی مخالفت و موافقت محض اس کی ذات کے مفاد کے ارد گرد گھومتی رہے وہ شرافت سے بالکل تہی ہوتی ہے۔ یہی رمز ہے کہ ابوجہل اور ابوسفیان کی مخالفت اور ابولہب کے انداز مخالفت میں نمایاں فرق نظر آتا ہے اور یہی فرق ہے جو سبب ہوا اس بات کا کہ اس عدو کا ذکر خاص طور پر نام لے کر کیا جائے تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو کہ کس کردار کے لوگ حق کے اصلی دشمن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مزاج ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں وصل اور فصل کی بنیاد صرف اللہ کا دین ہے۔ وہ لوگ نبی کے ساتھی اور محبوب و محب بن جاتے ہیں جو اللہ کے دین کو اختیار کر لیتے ہیں اگرچہ وہ کتنے ہی دور کے ہوں اور وہ لوگ کاٹ پھینکے جاتے ہیں جو اللہ کے دین کے مخالف ہوتے ہیں، اگرچہ باعتبار نسب و رشتہ وہ نبی کے کتنے ہی قریبی ہوں۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لیے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے واقعات نہایت خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اسی مقصد سے یہاں ابولہب کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ ہوا تاکہ یہ حقیقت واضح کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاندان اور نسب کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک گڈریا رسول کا محب اور محبوب بن سکتا ہے اگر وہ اس کی دعوت قبول کر لیتا ہے اور اگر اس کا چچا بھی اس کی دعوت رد کر دے تو اس کا تعلق بھی اللہ اور رسول سے یک قلم ختم ہو جاتا ہے۔ سورۂ کافرون میں اہل کفر سے برأت کا جو اعلان ہے یہ گویا اس کی عملی شہادت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ابولہب کے اقتدار کے زوال کی پیشین گوئی کے لیے 'تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ' کے الفاظ بظاہر بالکل کافی ہیں، پھر اس کے بعد 'وَّتَبَّ' کا لفظ لانے کا کیا خاص فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں اس کی سیاسی قوت کے ٹوٹ جانے کی پیشین گوئی ہے اور اس دوسرے میں اس کی اپنی ذات کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی ٹھیک اسی طرح پوری بھی ہوئی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے جو سردار مارے گئے ان میں سے اس کے بہت سے خاص حامی تھے جن کی موت سے اس کی سیاسی ساکھ کو بہت نقصان پہنچا۔ پھر غزوۂ بدر کے کچھ ہی بعد وہ خود چیچک میں مبتلا ہوا۔ اس بیماری کے دوران چھوت کے اندیشہ سے، نہ اس کے ساتھیوں نے اس کی خبرگیری کی نہ اس کے بیٹوں اور خاندان کے عزیزوں نے۔ اسی بے کسی کے حال میں اس نے جان دی اور لاش کئی دن تک گھر ہی میں پڑی سڑتی رہی۔ بالآخر لوگوں کے طعنوں سے تنگ آ کر اس کے بیٹوں نے کرایہ کے کچھ حبشیوں کی مدد سے لاش مکہ کے بالائی حصہ میں پھنکوائی اور دور دور ہی سے اس پر پتھر وغیرہ ڈال کر ڈھانک دی۔ یہ

امر یہاں ملحوظ رہے کہ کسی پر پتھر پھینکنا اس پر لعنت کرنے کے ہم معنی ہے۔

علاوہ ازیں یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ غزوۂ بدر میں، قریش کے تمام سردار پورے جوش و خروش سے شریک ہوئے، لیکن ابولہب نے بزدلی کے سبب سے شرکت نہیں کی بلکہ ایک دوسرے شخص کو، جس پر اس کا کچھ قرض آتا تھا، جس کی وصولی کی توقع باقی نہیں رہی تھی، اس نے مجبور کیا کہ وہ اس قرض کے عوض میں اس کی طرف سے جنگ میں شریک ہو۔ چنانچہ وہ شریک ہوا اور غالباً مارا بھی گیا اور یہ بزدل گھر میں بیٹھا رہا لیکن یہ تدبیر بھی اس کو موت سے بچانے میں کارگر نہ ہو سکی۔ اس جنگ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ چیچک میں مبتلا ہو کر نہایت ذلت کی موت مرا۔ ہمارے نزدیک 'وَتَبَّ' کا لفظ اس کے اسی انجام کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ (۲)

روپیہ کی بڑی سے بڑی مقدار بھی خدا کی پکڑ سے نہیں بچا سکتی

روپیہ کے حریص روپیہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ذہن کے اندر یہ خناس سما جاتا ہے کہ اگر روپیہ ہے تو وہ خدا کی گرفت سے بھی محفوظ ہیں۔ سورۂ ھمزہ میں زر پرست بخیلوں کی ذہنیت سے یوں پردہ اٹھایا گیا ہے:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ ؕ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ ؕ (الھمزۃ - ۱۰۴: ۲-۳)	جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا گمان کرتے ہوئے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا۔

ہم نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ یہ درحقیقت ابولہب اور اس کے ہم مشربوں کی تصویر ہے۔ اس طرح کے لوگ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ انھیں خدا سے بھی سابقہ پیش آنے والا ہے اور وہ ان کو کسی ایسی آزمائش میں ڈال سکتا ہے جس سے روپیہ کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جائے گی۔ ابولہب اسی خبط میں عمر بھر پڑا رہا بالآخر اس پر وہ گردش آئی کہ اس نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ روپیہ کی بڑی سے بڑی مقدار بھی خدا کی پکڑ سے انسان کو نہیں بچا سکتی۔

'وَمَا کَسَبَ' کی تاویل

'وَمَا کَسَبَ' کی تاویل میں مفسرین سے کئی قول منقول ہیں۔ بعض لوگوں نے اس سے اس کے بیٹوں کو مراد لیا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ آخر میں، جیسا کہ اوپر ہم نے اشارہ کیا، اس کے بیٹے بھی اس کے کچھ کام نہ آئے لیکن اس تاویل میں تکلف ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے اس کی وہ کمائی مراد لی ہے جو اس نے حرام راستوں سے حاصل کی، لیکن اس مفہوم کے لیے اول تو یہ لفظ کچھ موزوں نہیں ہے ثانیاً 'مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ' کے بعد اس کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہمارے نزدیک اس سے اس کے وہ اعمال مراد ہیں جو اس نے اپنی دانست میں نیکی کے سمجھ کر کیے لیکن اس کے خبث باطن اور شرک کے سبب سے وہ بھی رائگاں ہو گئے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ وہ بیت اللہ کے

شعبۂ مالیات کا انچارج تھا اس وجہ سے اسے غریبوں، مسکینوں اور حاجیوں کی خدمت کے کچھ کام کرنے ہی پڑتے تھے لیکن یہ محض نمائش کے لیے مجبورانہ صرف اس غرض سے کیے جاتے کہ اس کی خیانتوں پر پردہ پڑا رہے۔ اس طرح کے کام خدا کے ہاں درخورِ اعتنا نہیں ٹھہرتے۔

سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ (۳)

آخرت میں جس انجام سے وہ دوچار ہوگا

پچھلی دونوں آیتوں میں اس کا وہ حشر بیان ہوا ہے جو اس دنیا میں اس کے سامنے آیا۔ اب یہ اس کا وہ انجام بیان ہو رہا ہے جس سے وہ آخرت میں دوچار ہوگا۔ فرمایا کہ وہ بھڑکتی آگ میں پڑے گا۔ یہاں آگ کی صفت 'ذَاتَ لَہَبٍ' پر نظر رہے۔ اس کی کنیت 'ابولہب' تھی، اس کی رعایت سے اس کے لیے آگ "ذَاتَ لَہَبٍ" ہوگی۔ 'لَہَبٌ' کے معنی شعلہ کے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ سرخ و سپید شعلہ رُو تھا اس وجہ سے اس نے یا تو خود یہ کنیت اختیار کی یا اس کے خوشامدیوں نے اس سے اس کو پکارا اور یہ اتنی مشہور ہوئی کہ اس کا اصل نام ـــ عبدالعزّٰی ـــ غائب ہو گیا۔ قرآن نے یہاں اس کا یہ انجام بیان کر کے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اس دنیا میں اس کو اپنی جس شعلہ روئی پر ناز رہا آخرت میں یہ اس کے لیے وبال بنے گی۔ وہ شعلوں والی آگ میں جھونکا جائے گا جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ظاہر کا حسن کوئی فخر کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ آدمی کے لیے وبال بن سکتا ہے، اگر اس کے ساتھ باطن کا حسن نہ ہو۔

وَّامْرَاَتُہٗ ط حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ (۴)

فرمایا کہ اس کی بیوی بھی ایندھن ڈھوتی ہوئی اس کے ساتھ جہنم میں پڑے گی۔ عذاب میں اس کی بیوی کی یہ شرکت اسی صورت میں مطابقِ عدل ہے جب وہ بھی اس کے ان جرائم میں شریک رہی ہو جو اس کو جہنم میں لے جانے والے بنے۔ آدمی کے بیوی بچے بسا اوقات اس کے لیے ایسے جرائم کا سبب بن جاتے ہیں جو اس کی تباہی کا بھی سبب بنتے ہیں اور بیوی بچوں کی بھی۔ اسی بنا پر قرآن میں اہلِ ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن - ۶۴ : ۱۴)

اے ایمان والو، تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں بعض تمھارے دشمن بھی ہیں تو ان سے بچ کے رہو۔

بیوی بچوں کے دشمن ہونے کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی بے جا خواہشوں اور فرمائشوں کی تعمیل اور ان کی غلط نازبرداری کے فتنہ میں مبتلا ہو کر آدمی خدا کے احکام و حدود کی پاسداری سے غافل اور بخل و خیانت کا مرتکب ہو جائے۔ بیوی بچوں کو اسی پہلو سے فتنہ قرار دیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا ہے کہ آدمی کی اولاد اس کو بخل اور بزدلی میں مبتلا کرنے والی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کی بیوی بگڑی ہوئی بیگمات کی طرح فیشن کی دلدادہ، زیورات کی شوقین، دولت کی حریص اور نمائش کی رسیا تھی۔ اس نے ابولہب کے بگڑے ہوئے مزاج کو اور بگاڑا۔ یہاں تک کہ وہ بھی اسی عذاب کی مستحق ٹھہری جس میں اس کا شوہر داخل ہوا۔

حمالۃ الحطب کی تاویل

حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ کی تاویل میں بڑا اختلاف منقول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے تو یہ ہے کہ یہ بطور ہجو و تحقیر اس کی وہ حالت بیان ہوئی ہے جو اس کی اس دنیا میں تھی۔ وہ لونڈیوں کی طرح گلے میں رسی ڈال کر جنگل جاتی اور سر پر ایندھن کا گٹھر لاد کر لاتی۔ یہ قول سب سے زیادہ مشہور ہے لیکن یہ جتنا ہی مشہور ہے اتنا ہی خلافِ عقل و قیاس ہے۔

یہ امر یاد رکھیے کہ عرب کی عنانِ حکومت قریش کے ہاتھ میں تھی۔ خاص طور پر بنی ہاشم تو پورے عرب کے سرتاج تھے۔ ابولہب یوں تو خاندانی صاحبِ ثروت و دولت تھا پھر اس زمانے میں، جس کا ذکر ہے، اس کو قریش کی مذہبی حکومت میں اتنا اونچا مقام حاصل ہو گیا تھا کہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ پوری حکومت عملاً اس کے انگوٹھے کے نیچے آگئی تھی۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے دولت مند لیڈر کی بیگم لونڈیوں کی طرح ایندھن ڈھونے کا کام کرے گی! ان لوگوں کا حال تو یہ تھا کہ ایک ایک خوش حال کے پاس درجنوں لونڈیاں اور غلام ہوتے اور ان کی بیگمات کی نازک مزاجی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھی کسرِ شان سمجھتی تھیں۔ ان کے عام آدمی بھی اپنے بچوں کو دوسرے قبیلوں کی دائیوں سے دودھ پلواتے۔

پھر ابولہب کی بیوی بھی کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ یہ ام جمیل بنت حرب، خاندانِ بنی عبد الشمس کی ایک نہایت باعزت خاتون تھی جو ہاشمی خاندان میں بیاہی گئی۔ اس کے شوہر کا جو مرتبہ حکومت میں تھا اس کا اعتبار کیجیے تو یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ اس کو اس وقت قریش میں وہی درجہ حاصل تھا جو اس زمانے میں کسی قوم کے اندر ان بیگم صاحبہ کو حاصل ہوتا ہے جو خاتونِ اول کہلاتی ہیں۔

غالباً انہی اعتراضات سے بچنے کے لیے بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ خاردار جھاڑیاں لا لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ڈالتی تھی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے اندر لگانے بجھانے کی عادت تھی جس کی تعبیر حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ سے کی گئی ہے۔ یہ اقوال اس قدر کمزور اور عربیت سے اس درجہ بعید ہیں کہ ان پر تنقید کرنا محض اپنا اور قارئین کا وقت ضائع کرنا ہے اس وجہ سے ہم ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو وہ مولانا فراہی علیہ الرحمۃ کی تفسیر میں ان پر تنقید پڑھ لے۔

ہمارے نزدیک حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ ترکیب میں حال پڑا ہوا ہے اور اس کی یہ حالت اس

وقت کی بیان ہوئی ہے جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ دوزخ میں پڑے گی۔ اس وقت اس کا حال اس مجرم کا سا ہوگا جو اپنی سولی کا تختہ اور اپنے جلانے کا ایندھن خود اٹھائے ہوئے ہو۔

حال کے سوا کوئی اور ترکیب اس کی از روئے عربیت صحیح نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں وہ تمام اقوال از خود بے معنی ہو جاتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اس لیے کہ حالیت کی صورت میں ان کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

قیامت کے دن مجرموں کا جو حال ہوگا اس کی تصویر قرآن میں جگہ جگہ کھینچی گئی ہے اس پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کے الفاظ سے جو تصویر ابولہب کی بیوی کی سامنے آتی ہے وہ ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ	اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے
عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا	ہوں گے اور سن لو کہ نہایت ہی بری چیز ہوگی جو وہ
يَزِرُونَ (الانعام - ۶ : ۳۱)	اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

اس سے زیادہ وضاحت سورۂ نحل میں ہے:

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً	تاکہ وہ اٹھائیں اپنے بوجھ قیامت کے دن پورے
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ	پورے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے بوجھ کا بھی
الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ	کچھ حصہ جن کو وہ بغیر کسی علم کے گمراہ کر رہے
عِلْمٍ (النحل - ۱۶ : ۲۵)	ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوگی اور ابولہب کے جن گناہوں کی وہ محرک بنی ہوگی کچھ بوجھ ان کا بھی اس کو اٹھانا پڑے گا اور یہ بوجھ اس کے جلانے کے ایندھن کی صورت میں ہوگا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ابولہب کی بیوی کے ذکر سے مقصود یہاں اس کی مذمت اور ہجو کر کے دل کو تسلی دینا نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے گمان کیا ہے، بلکہ اصل مقصود لوگوں، بالخصوص طبقۂ نسواں کو، اس کے انجام سے عبرت دلانا ہے کہ ایک بگڑی ہوئی عورت کس طرح اپنی تباہی کا بھی سامان کرتی ہے اور اپنے شوہر اور اپنی اولاد کی تباہی کا بھی۔ قرآن نے مردوں کے پہلو بہ پہلو عورتوں کا ذکر اسی لیے کیا ہے کہ ہر طبقہ اپنے طبقہ کے لوگوں کے حال اور انجام سے زیادہ بہتر طریقہ پر سبق حاصل کر سکتا ہے۔ یہ عورت دنیوی اعتبار سے چونکہ اونچے طبقہ سے تعلق رکھنے والی تھی اس وجہ سے اس کے انجام سے لونڈیاں اور بیگمات دونوں عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۵)

ابولہب کی بیوی کے گلے کا ہار قیامت کے دن

یہ اسی تصویر کی تکمیل ہے جو اس سے پہلے والی آیت میں کھینچی گئی ہے۔ یعنی اس کی گردن میں اس طرح کی موٹی رسی پڑی ہوگی جس طرح کی رسی ایندھن ڈھونے والی لونڈیوں کی گردن میں ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس آیت میں جو حالت اس کی بیان ہوئی ہے اس کو مفسرین آخرت کے متعلق مانتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ اس سے پہلے والے ٹکڑے کو انھوں نے آخرت سے متعلق کیوں نہیں مانا جب کہ عربیت کے قاعدے سے ان دونوں کے درمیان ایسا اتصال ہے کہ ان کو کسی طرح الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔

لفظ 'مَسَدٌ' کھجور کے اس ریشے یا پتے یا چھلکے کے لیے بولا جاتا ہے جس سے مضبوط رسیاں بٹی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لفظ عام طور پر مضبوط اور موٹی رسی کے لیے بھی آتا ہے، خواہ وہ کھجور کے ریشے کی ہو یا چمڑے کی یا اس قسم کی کسی اور چیز کی۔ چرخی کی رسی کے لیے اس کا استعمال عام ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مضبوط اور موٹی رسی کے معنی میں معروف ہے۔

آیت کی ظاہر تاویل یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے دن اٹھے گی تو اس کی گردن میں ایک مضبوط رسی پڑی ہوگی جو ایندھن ڈھونے والی لونڈیوں کی گردن میں پڑی ہوئی رسی کی طرح موٹی ہوگی۔

اب غور کیجیے کہ اس صفت کے اضافے سے کیا نئے حقائق روشنی میں آتے ہیں:

۱۔ اس میں ابولہب کی بیوی کی اس حالت کی وضاحت ہے جو لفظ 'حَمَّالَةَ الْحَطَبِ' میں بیان ہوئی ہے۔

۲۔ اس میں اس ذلت کی تصویر ہے جس میں وہ قیامت کے دن گرفتار ہوگی۔

۳۔ اس میں عمل اور نتیجۂ عمل کی موافقت کی طرف اشارہ ہے کہ جس ہار کو پہن کر وہ دنیا میں اتراتی تھی قیامت کے دن وہ موٹی رسی کی شکل میں بدل جائے گا جس کے سبب سے اس کی مثال اس لونڈی کی ہو جائے گی جو گلے میں رسی ڈال کر لکڑیاں چننے جا رہی ہو۔

۴۔ مغرور عورتیں آرائش کے ساتھ ساتھ نمائش کی بھی دلدادہ ہوتی ہیں اس وجہ سے سامان آرائش کے حجم اور وزن کا خاص خیال رکھتی ہیں، اس وجہ سے ضروری ہوا کہ رسی موٹی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً۔

لاہور

۱۷۔ جولائی ۱۹۸۰ء

۳۔ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ